# ترکی میں احیائے اسلام کی موجودہ حالت

# دورۂ ترکی کے مشاہدات

جناب خلیل حامدی صاحب

(۹)

**علی بیگ ڈیمرل اور ان کی یونیورسٹی** علی بک ڈیمرل کی یونیورسٹی گو پرائیویٹ ہے مگر ایک مکمل یونیورسٹی ہے۔ اس میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے تمام علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ طلبہ کی تعداد ۵ ہزار سے متجاوز ہے۔ ان میں ۳۰ کے قریب طلبہ علی بک صاحب کے خرچ پر پڑھتے ہیں۔ یونیورسٹی کی عمارت نئی ہے۔ یونیورسٹی کے نچلے حصے میں مسجد ہے۔ علی بک خود بھی نماز کے پابند ہیں اور طلبہ کے اندر بھی اس کا شوق پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یونیورسٹی دن کے علاوہ رات کو بھی کھلتی ہے۔ علی بک ہمارے دوست صالح اوزجان سے بڑی محبت کرتے ہیں اور ان کے جہاد اور تبلیغی مساعی کے بڑے قدردان ہیں۔ صالح اوزجان نے بتایا کہ علی بک ڈیمرل مولانا محترم سے خوب واقف ہیں، ہمیشہ مولانا کا ذکرِ خیر کرتے رہتے ہیں، انہیں بھی مولانا محترم کی ترکی میں آمد کا انتظار ہے، لہٰذا ان سے ملاقات کر لی جائے۔ علی بک اپنے دفتر میں بیٹھے تھے۔ ہم اجازت لے کر اندر داخل ہوئے۔ صالح اوزجان صاحب نے جب میرا تعارف کرایا تو موصوف نے بڑی گرمجوشی اور خندہ روئی سے استقبال کیا۔ پہلا سوال یہ کیا کہ "مولانا مودودی کی صحت کے بارے میں آخری اطلاع کیا ہے"؟ عرض کیا: "اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ہے کہ مولانا محترم کے دونوں اپریشن کامیاب ہو گئے اور اب وہ تیزی سے رُو بصحت ہو رہے ہیں۔ پاکستان واپس تشریف لے جانے کے لیے پا بہ رکاب ہیں"۔ کہنے لگے "مولانا محترم کی صحت اور شفایابی سے ہمیں بڑی مسرت ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو طویل عمر عطا فرمائے"۔ واپسی کی تاریخوں کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا کہ "انشاء اللہ ایک دو روز تک اُن کی طرف سے واپسی کی تاریخوں کی قطعی اطلاع آجائے گی۔ سابقہ اطلاع یہ ہے کہ ۲۶ دسمبر کو وہ لندن سے روانہ ہو رہے ہیں"۔ علی بک ڈیمرل فرمانے لگے "مولانا محترم کی ترکی میں آمد ہمارے لیے بڑے فخر و اعزاز کا باعث ہے۔ یہ ملک

مولانا محترم کا اپنا وطن ہے۔ میری خواہش یہ ہے کہ مولانا محترم ترکی میں میرے مہمان ہوں اور سب سے پہلے میری یونیورسٹی میں خطاب کریں۔ میری طرف سے مولانا کو ضیافت کی پیشکش کر دیں۔" میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ آپ کا یہ پیغام میں مولانا محترم تک پہنچا دوں گا۔ مزید تاکید کرتے ہوئے علی بیگ کہنے لگے کہ "مولانا اِس سفر میں بھی میرے مہمان ہوں گے اور آیندہ بھی جب ترکی تشریف لائیں تو میری ضیافت ریزرو ہے۔ اور اُن کی سب سے پہلی آواز مشرقِ اوسط یونیورسٹی کے ہال سے بلند ہوگی۔ اس کے بعد دوسرے کسی ادارے کو اجازت ہوگی کہ وہ مولانا محترم کو مدعو کرے۔" موصوف نے ترکوں کی روایات کے مطابق بڑی بے تکلفی، ملنساری، تواضع اور عزت و تکریم کا مظاہرہ کیا، اور اسلام اور اسلامی اخوت کو باہمی محبت و اُلفت کا اصل رشتہ قرار دیا۔ آخر میں کہنے لگے:

"یہاں ہم اسلامی دعوت کو فروغ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسلام کے اندر ہماری بقا اور استحکام کا راز مضمر ہے۔ ترک قوم کی رگ رگ میں اسلام کی محبت رچی ہوئی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ لوگ اس مہم کے اندر ہم سے تعاون کریں، اور ہم مل جُل کر اسلام کو برتر کرنے کا فرض انجام دیں۔"

میں نے عرض کیا "جماعت اسلامی کے قیام کا مقصد ہی دنیا کے اندر اسلام کا غلبہ ہے۔ یہ جماعت ۱۹۴۱ء میں وجود میں آئی ہے۔ اُس وقت سے لے کر آج تک یہ برابر اسلام کے احیاء کے لیے کوشاں ہے۔ زندگی کے ہر پہلو پر اسلام کی پیش کردہ ہدایات کو اس نے اُجاگر کیا ہے۔ تعاون علی الخیر اس کا بنیادی مقصد ہے۔ ترکی کے اندر آپ حضرات کی کوششوں سے اسلام کو جو نئی زندگی نصیب ہو رہی ہے وہ ہمارے لیے بڑی حوصلہ افزا ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اسلام کے انحطاط کا آغاز بھی ترکی سے ہوا تھا، اور اس کا اعلاء بھی ہمیں امید ہے ترکی سے ہوگا۔" یہ وہ الفاظ ہیں جو علی بیگ ڈنیرل صاحب کی دعوتِ تعاون کے جواب میں راقم الحروف کی زبان پر برجستہ آگئے۔ صالح اوزجان گو مترجم تھے مگر میں نے دیکھا کہ صالح اوزجان خود بھی اِس گفتگو سے بڑے محظوظ و مسرور ہو رہے تھے۔ ترکی میں اسلام کے احیاء کے لیے جو کچھ کام ہو رہا ہے اُس میں صالح اوزجان کا خون پسینہ بھی بمقدارِ وافر شامل ہے۔ اس لیے دعوتِ اسلامی کے ذکر سے

وہ جتنے شاداں و فرحاں ہوں انہیں حق پہنچتا ہے۔ ترکی کی اسلامی تحریک کو یہ فخر ہے کہ اس کے ہم نواؤں میں علی بیگ ڈیمیرال بھی شامل ہیں۔ علی بیگ ایک اچھے، سادہ اور بے لوث مسلمان ہی نہیں، تعلیم و تربیت کے میدان کے شاہسوار بھی ہیں۔ صالح اوزجان نے بتایا کہ علی بیگ بڑی سادہ بود و باش رکھتے ہیں۔ مغربی تہذیب کی خرافات سے دامن کش رہتے ہیں۔ نماز با جماعت کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اپنی پاک نفسی اور ملنساری کی وجہ سے انقرہ میں ان کا حلقۂ احباب بڑا وسیع ہے۔ ان کا دوست وہی ہو گا جو کم از کم نماز کا پابند ہو گا۔ غرور و استکبار ان کے اندر نام کو نہیں۔ اسلامی دعوت و تبلیغ کے معاملے میں جوش و خروش کے بجائے حکمت اور دور اندیشی کے قائل ہیں۔ راقم الحروف نے بھی ترکی کے چند روزہ قیام میں یہ محسوس کیا ہے کہ یہاں اسلامی تحریک جس برق رفتاری کے ساتھ ابھر رہی ہے اس سے نہ صرف ترکی کے اندر مخالفِ اسلام طاقتیں چوکنی ہو رہی ہیں بلکہ بیرونی طاقتیں بھی اسے دیکھ کر دانت پیس رہی ہیں۔ اس لیے حالات حکمت و تدبر اور صبر و تحمل کا تقاضا کرتے ہیں۔

نماز عشاء اور نماز تراویح اسی یونیورسٹی کی مسجد میں ادا کی۔ مسجد اساتذہ اور طلبہ نمازیوں سے بھر گئی۔ سرکاری ملازمین کی ایک تعداد بھی باہر سے تراویح کے لیے یہاں آگئی۔ صالح اوزجان صاحب نے بتایا کہ منصوبہ بندی وزارت کے اکثر بڑے بڑے آفیسر یہاں موجود ہیں۔ مسجد حاضرین کے لیے تنگ ہو گئی۔ یہ حاضرین تمام تر اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ ایک حافظ امام، ایک خطیب اور ایک مؤذن اس مسجد کے لیے مخصوص ہیں۔

**محکمۂ امور مذہبی کے نائب صدر سے ملاقات** صالح اوزجان انتھک اور درویش صفت آدمی ہیں۔ تراویح سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے محکمۂ امور مذہبی کے نائب صدر شیخ یشار تونا گوز سے مل لیں۔ انقرہ کی نئی آبادی میں شیخ یشار کی رہائش گاہ ہے۔ یونیورسٹی سے سیدھے شیخ کے گھر پہنچے۔ سردی کی وجہ سے سڑکوں پر زیادہ رونق نہیں ہے۔ اِکّا دُکّا موٹر گزرتی نظر آجاتی ہے۔ اور یا پھر جگہ جگہ تجارت بنکاسی (کمرشل بنک) کے بجلی کے اشتہارات دمک رہے ہیں اور یا قدم قدم پر مصطفیٰ کمال کے مجسمے راہ گیروں کا سامنا کرتے ہیں۔ شیخ یشار کے گھر پہ جب دستک دی تو قدیم ترکی روایت کے مطابق سب سے پہلے ان کے چھوٹے چھوٹے بچے باہر نکلے۔ انہوں نے ہمارے ہاتھوں کو ترکی آداب کے مطابق بوسہ دیا۔ ہمیں گیلری میں لے گئے۔ اور کوٹ اتار کر کھونٹیوں پر لٹکائے۔ بوٹ اتارے اور سلیپر

پہناتے۔ ہم کمرۂ ملاقات میں جاکر بیٹھے ہی تھے کہ شیخ یشار آگئے اور عربی زبان کے شستہ اور بلیغ اسلوب کے ساتھ ہمارا خیر مقدم کیا۔ مولانا محترم کی بار بار خیریت پوچھی۔ اور ہر مرتبہ مولانا کے لیے "سماحتنا الاستاذ" کا لقب استعمال کیا۔ ابتدائی کلمات کے بعد اندر گئے اور جب آئے تو ان کے اپنے ہاتھ میں ترکی قہوہ کا ٹرے تھا اور پیچھے خشک اور تازہ پھلوں کی رکابیاں اٹھائے ہوئے تھے۔ یوں تو ہر ترک کو تواضع اور مہمان نوازی کی عادت ابًا عن جدٍ ورثے میں ملی ہے، مگر خاص طور پر وہ گھرانے جن میں اصل ترکی تہذیب زندہ ہے اور جو تہذیبِ حاضر کی یلغار سے محفوظ رہے ہیں اس میں پیش پیش ہیں اور عثمانیوں کے دور کی یاد تازہ کر دیتے ہیں شیخ یشار کا گھرانہ عثمانی اور کردی دو خوبیوں کا سنگم ہے۔

**شیخ یشار کی شخصیت** اس وقت ترکی کے اندر شیخ یشار نہایت اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ترکی میں اسلامی ذوق کو پروان چڑھانے کے لیے بیحد مفید خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ محکمۂ امورِ مذہبی کا تمام نظم و نسق عملاً ان کے ہاتھ میں ہے اور جب سے انہوں نے اس محکمے کا چارج لیا ہے اس میں غیر معمولی شادابی اور حرکت پیدا ہو گئی ہے۔ شیخ یشار کی عمر ۵۰ سال سے زائد ہے، مگر ڈاڑھی میں سیاہی سفیدی پر غالب ہے۔ صحت اور توانائی قابلِ رشک ہے۔ قدرتی حُسن پر علم کا غازہ بہارِ فزوں دکھا رہا ہے۔ قدیم ترکی کے بھی عالم ہیں اور جدید ترکی پر بھی عبور ہے۔ عربی زبان پر پوری دستگاہ حاصل ہے۔ محکمانہ مشاغل کے باوجود مطالعہ میں کمی نہیں آئی۔ ذاتی لائبریری میں کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے۔ صالح اور جان اور ترکی کی اسلامی تحریک چونکہ لازم و ملزوم ہیں اس لیے شیخ یشار صالح اوزجان کی نہ صرف ہمت افزائی کرتے ہیں بلکہ مفید مشورے بھی دیتے ہیں۔ مسجدوں اور ان کے اماموں، خطیبوں اور مفتیوں کا وسیع نظام بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ محکمۂ امورِ مذہبی کروڑوں ترکی پاؤنڈ کے بجٹ پر متصرف ہے۔ اس کے لیے ایسی ہی موزون اور مخلص شخصیت کی ضرورت تھی۔ اس کے مقابلے میں اپنے ملک میں دیکھیے، اوقاف کے محکمہ کی سربراہی ایک سی ایس پی افسر کے حوالے کی گئی ہے جو دین کے علم سے کورا ہے، جس کے اشتراکی رجحانات کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہیں، اور جسے ہر گمراہی کی ہمت افزائی کرنے اور علماء کی تذلیل و تضحیک کرنے میں کوئی باک نہیں ہے۔

ترکی میں "شیخ الاسلام" کا عہدہ اگرچہ مصطفیٰ کمال نے ختم کر دیا تھا، مگر ترک مسلمان شیخ یشار کو "شیخ اسلام"

ہی کے لقب سے پکارتے ہیں۔ شیخ یشار سے رات گئے تک گفتگو ہوتی رہی۔ یہ گفتگو اس قدر معلوماتی اور دلکش اور مطابقِ ذوق تھی کہ ہم تینوں اس میں محو ہو گئے۔ جب آدھی رات ہو گئی تو قصداً اس حدیثِ خوشبون کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا اور باقی کل کے لیے اٹھا رکھا۔ شیخ یشار نے پہلے توجہ سے مولانا محترم کے ذاتی اور تاریخی حالات سُنے۔ مولانا محترم کی عمر کیا ہے؟ تعلیم کتنی ہے؟ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں؟ کس کس زبان میں دسترس رکھتے ہیں؟ بچپن اور جوانی کا زمانہ کیسا تھا؟ اپنی دعوت کا آغاز کیسے کیا اور کن حالات میں کیا؟ ترجمان القرآن سے پہلے کیا کام کرتے رہے؟ تحریک خلافت اور دوسری تحریکوں کے بارے میں اُن کی کیا رائے تھی؟ خالدہ ادیب خانم پر اُن کی تنقید[۵۱] نہایت صحیح ہے، ان تمام معلومات کا ماخذ کیا تھا جب کہ خود ترکی کے اکثر لوگ ان معلومات سے بے بہرہ تھے؟ تصنیفات کی کل تعداد کیا ہے؟ کن کن زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو چکا ہے؟ تفہیم القرآن کتنی لکھی جا چکی ہے اور کتنی چھپ چکی ہے؟ کس فقہی مذہب کو ترجیح دیتے ہیں؟ یومیہ مشاغل کیا ہیں؟ جماعت اسلامی کب وجود میں آئی؟ کس کس مرحلے سے گزری؟ کیا جماعت قیام پاکستان کے حق میں تھی؟ جماعت کا نظم کیا ہے؟ ملک کے اندر اس کے اثرات کتنے ہیں؟ ملک کے موجودہ حالات کیا ہیں؟ حالیہ ہنگاموں کا پس منظر کیا ہے؟ راقم الحروف اپنی معلومات کی حد تک ان تمام سوالوں کا جواب دیتا رہا۔ اور شیخ یشار سے وعدہ کیا کہ جماعت کی مفصل تاریخ کے بارے میں انہیں دو کتابیں مہیا کرے گا جن میں انہیں اکثر و بیشتر باتیں معلوم ہو جائیں گی[۵۲]

| زیبن دو زعربی مدرسے | شیخ یشار کُردی الاصل ہیں۔ ترکی کُرد دینداری اور شجاعت میں بڑی شہرت رکھتے |
|---|---|

ہیں۔ ترکی کا قوم پرست طبقہ (یعنی طورانی ترک) کُردوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اِدھر کُرد بھی

---

۵۱ خالدہ ادیب خانم پر مولانا محترم کی تنقید "ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش" کے عنوان سے "تنقیحات" میں موجود ہے۔ تنقیحات کا عربی ترجمہ (نحن والحضارة العربية) کے نام سے چار سال ہوئے چھپ چکا ہے۔ شیخ یشار کا اشارہ اسی مضمون کی طرف ہے۔

۵۲ ایک مولانا مسعود عالم مرحوم کی کتاب "تاریخ الدعوة اسلامیہ فی الہند" اور دوسرا ایک پمفلٹ "الجماعة الاسلامیہ فی باکستان"۔ یہ دونوں عربی میں ہیں۔ اول الذکر بیروت میں چھپی ہے اور دوسری پاکستان میں۔

سالانیکی ترکوں سے بیزار رہتے ہیں۔ کیونکہ وہی فری میسن اور دونمہ اور یہودی اثرات سے متاثر ہوکر ترکی نسل پرستی کے علمبردار بنے، انہی کی حماقتوں سے سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے اُڑے، انہی نے خلافت کو ختم کیا اور وہی ترکی کو لادینی اور مغربی تہذیب کے راستے پر زبردستی دھکیل کر لے گئے۔ کُردی اور سلانیکی دو مختلف عصبیتوں کا عنوان بھی ہے اور پھبتی بھی۔ ترکی کا ایک مشکوک اخبار شیخ بشار کو یہ طعنہ دیتا رہتا ہے کہ یہ کُرد ہیں یعنی ان سے بچو۔ شیخ بشار نے بتایا کہ انہوں نے ثانوی تک ترکی کے سیکولر اسکولوں میں تعلیم حاصل کی ہے۔ اس کے بعد انہیں دینی تعلیم اور عربی کا شوق پیدا ہوا۔ مگر یہ شوق کیسے شرمندۂ تکمیل ہو؟ ملک کے اندر سیکولر تعلیم کا غلبہ تھا اور دینی تعلیم کے حصول کے لیے ملک سے باہر نکلنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ یہ مشکل نہ صرف شیخ بشار کے لیے پریشانی کی موجب تھی بلکہ تمام ترک مسلمانوں کے لیے قلق و اضطراب کا سبب بن چکی تھی۔ مگر ترک مسلمان اس لحاظ سے غیر معمولی داد و تحسین کا مستحق ہے کہ اس نے "روزِ سیاہ" میں بھی "پیرِ کنعان" سے تعلق نہ توڑا اور اپنی ہر مشکل کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیا۔ جب عربی اذان ممنوع تھی تو گھروں کے اندر چھپ چھپ کر عربی میں اذان دیتے اور نماز پڑھتے۔ شادی بیاہ کے قوانین اسلامی شریعت کے خلاف دیکھے تو اس باب میں بھی بڑا دلچسپ راستہ پیدا کر لیا۔ دینی اور عربی تعلیم کے لیے بھی انہوں نے خطر پسندی کا ثبوت دیا اور زیرِ زمین دینی مدرسے قائم کر دیے۔ زیرِ زمین دینی مدرسوں کا وسیع نظام تھا اور پولیس بڑی جدوجہد اور جبر و تشدد کے باوجود اُن کا سراغ لگانے میں ناکام رہتی تھی۔ ان مدرسوں میں تعلیم دینے والے اور تعلیم حاصل کرنے والے دونوں اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے پھرتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ اُن پر کماحقہ صادق آتے تھے کہ "کالقابض علی الناس" (گویا آگ مٹھی میں لے رکھی ہے)۔ شیخ بشار نے بتایا کہ انہوں نے بھی ایسے ہی ایک مدرسے میں چار سال تک تعلیم حاصل کی ہے۔ ان کی دینی معلومات اور عربی زبان کا ذوق اسی مدرسے کا رہینِ منت ہے۔ شیخ بتانے لگے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ندر درس ہو رہا تھا۔ استاذ طلبہ کے سامنے فقہ کے کسی مسئلے پر بحث کر رہے تھے۔ میں بھی ان میں شریک تھا۔ دریں اثناء یکایک باہر کا دروازہ کھٹکایا گیا۔ ہمیں متعلقہ آدمی نے اشارہ کر دیا کہ پولیس دروازے پر ہے اور وہ اس مدرسہ پر چھاپہ مارنا چاہتی ہے۔ چنانچہ ہم تمام طلبہ مع کتابوں کے ایک ایسے خفیہ دروازے

سے نکل گئے جسے ہم "ایمرجنسی گیٹ" کہا کرتے تھے۔ ہمارے استاذ نے دروازہ کھولا۔ پولیس کے سپاہی دندناتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور بڑی چابکدستی کے ساتھ اِدھر اُدھر انہوں نے ہاتھ مارے۔ مگر انہیں کوئی ایسی چیز ہاتھ نہ لگی جس سے یہ ثابت کرسکیں کہ یہاں "رجعت پسندوں" اور "انقلاب دشمنوں" کا کوئی اڈا ہے۔ استاذ کو دھمکیاں دیں، مگر انہوں نے کہا کہ یہ ذاتی رہائش گاہ ہے، تم جس شُبہ کی بنا پر یہاں آئے ہو وہ درست نہیں ہے۔ آخرکار پولیس کا دستہ خائب و خاسر واپس لوٹ گیا۔ اگر اُس وقت ذرا بھی غفلت یا سستی ہو جاتی یا "رصدگاہ" کا نظام ڈھیلا ہو جاتا تو یقیناً ہم سب پولیس کے قبضے میں ہوتے اور موت کی سزا سے لے کر عمر قید کی سزا تک سے دوچار ہوتے۔ شیخ بشار اپنی یہ حکایت سناتے ہوئے خیالات کی دنیا میں نہایت گہرے ڈوب گئے اور اُن کی آنکھیں یوں ایک جگہ پر مرتکز ہو گئیں جیسے وہ اپنی گزشتہ زندگی کی فلم کا بغور مشاہدہ کرتے کرتے یکایک یہ محسوس کرنے لگے ہوں کہ وہ فلم نہیں دیکھ رہے بلکہ حقیقتِ حال کے اسٹیج پر بیٹھے ہوں۔ بڑی گرجدار آواز اور فخریہ لہجے میں کہنے لگے کہ وہ دور سخت مشکلات کا دور تھا۔ میں نے ان مشکلات کی طوفان خیز فضا میں چار سال گزارے ہیں۔ حکمرانوں کو ضد تھی کہ ترکی میں عربی کا ایک لفظ سنائی نہ دے اور ہم دردیشوں کو ضد تھی کہ عربی سے ہمیں کوئی محروم نہیں کرسکتا۔ یہ ہمارا سرمایۂ ایمان ہے۔ اور ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگِ گراں اور پھر شیخ بشار نے کہا کہ وہ سابقہ نسل جو عربی سے دُور رکھی گئی ہے اور موجودہ نسل جسے اب عربی تعلیم کی پوری آزادی اور سہولت حاصل ہو چکی ہے، دونوں کے درمیان ہم نقطۂ ماسکہ بنے ہوئے ہیں، اور ہزار تشدد کے باوجود اس مقدس سلسلے کے اندر کلی انقطاع نہیں پیدا ہونے دیا گیا ہے۔ شیخ نے اُس دور کے بارے میں نہایت اچھا فقرہ بولا۔ کہنے لگے کہ اُس وقت "اس سرزمین کا بطن اس کے ظاہر سے بہتر تھا" کیونکہ ظاہر "بفیول اتاترک" ترکوں کا باپ یہ کہتا ہے، پکار رہا تھا اور بطن "قال اللّٰہ و قال الرسول" (خدا اور اس کے رسول نے یہ فرمایا) کہہ رہا تھا۔ شیخ بشار نے بتایا کہ زمین دوز خفیہ عربی مدرسے ارض روم اور مشرقی علاقے میں بکثرت پھیلے ہوئے تھے اور ان علاقوں میں آج بھی ایسے لوگ کثیر تعداد میں ملیں گے جنہوں نے ان مدرسوں میں تعلیم پائی ہے۔

(باقی)